نواب زین العابدین خاں عارف

از محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ ادیب فاضل

مرزا غالب اور عارف مرحوم میں جو قلبی ارتباط و تعلق تھا۔ اُس کا اندازہ مرزا کے اُس مرثیہ سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے عارف کی جوانمرگی پر بڑے درد کے ساتھ کہا ہے۔ لیکن اب تک نواب عارف مرحوم کے تفصیلی حالات معلوم نہیں تھے۔ ہم کو بڑی مسرت ہے کہ محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ نے جو عارف مرحوم کے بڑے صاحبزادے نواب باقر علیخاں کامل مرحوم کی نواسی ہیں، اپنے نانا کے تعارف میں یہ تفصیلی مقالہ لکھ کر غالبیات میں چند مفید معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ آنمحترمہ نے عارف مرحوم کے خاندانی اور نجی حالات اپنی نانی نواب معظم زمانی بیگم صاحبہ سے سُنکر لکھے ہیں جو اب تک بفضلہٖ حیات ہیں۔ موصوفہ اُردو کی خوش فکر ادیبہ بھی ہیں اس لئے واقعات کی تحقیق و تفصیل کو اُنکے حسن بیان نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس مضمون کا المناک پہلو یہ ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد، دلی مرحوم کی بچھڑی ہوئی علمی وادبی صحبتوں کی یاد تازہ ہو کر دل میں طوفان اضطراب برپا کر جاتی ہے۔

("برہان")

غالب اور عارف

زین العابدین خاں عارف مرحوم حضرت مرزا اسد اللہ خاں غالب کی بیوی کے حقیقی بھانجے تھے۔ غالب مرحوم عارف کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اس چاہت کی وجہ عارف کا صرف

رشتہ دار ہونا ہی نہ تھا بلکہ عارف کی جودت طبع اور ذہن رسا نے حضرت غالب جیسے شہباز سخن کو فتح کرلیا تھا۔ عارف مرحوم حضرت غالب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ گو نقش اول تھے مگر نقش ثانی سے آب و رنگ میں کسی طرح کم نہ تھے بلکہ پرگوئی میں افضل تھے۔ غالب نے عارف کی خوش فکری اور گہری اُلفت و محبت کے اظہار کے لئے ایک قطعہ فارسی میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

آں پسندیدہ خوئے عارف نام
کز رخش شمع دودمان من است
آنکہ در بزم قرب و خلوت اُنس
غمگسار و مزاج دان من است

عارف کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:۔

ہم ز کلکِ تو خوش دلم، خوش حال
کان نہال ثمر فشان من است

جب عالم جوانی میں عارف داغ مفارقت دے گئے تو حضرت غالب نے ان کی وفات پر حد درجہ درد بھرا نوحہ لکھا جو ان کی بہترین اُردو نظموں میں سے ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف کی وفات کے بعد حضرت غالب ان کے دونوں خورد سال بچوں کو اپنے ہاں لے آئے۔ ان دونوں کے ساتھ حضرت غالب کو بے انتہا محبت تھی۔ کبھی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ اگرچہ خود بیحد تنک مزاج تھے لیکن حسین علیخاں اور باقر علیخاں کے ناز اٹھاتے تھے اور ان کا دل میلا نہ ہونے دیتے تھے

منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں :-

"سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا۔ اب اس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہوتے ہیں میرے پاس آرہے ہیں اور دمبدم مجھ کو ستاتے ہیں میں تحمل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ تم کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے۔ جب اس عالم کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے دوپہر کو سونے نہیں دیتے ننگے ننگے پاؤں پلنگ پر رکھتے ہیں کہیں پانی لنڈھاتے ہیں کہیں خاک اڑاتے ہیں تنگ نہیں آتا تو ان معنوی پوتوں سے کیا گھبراؤں گا"

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :-

سب روزہ دار ہیں۔ یہاں تک کہ بڑا لڑکا باقر علی خاں بھی۔ ایک میں اور میرا بیٹا حسین علی خاں روزہ خور ہیں۔ وہی حسین علی خاں جس کا روز مرہ ہے، کھلونے لینے میں بجار جاؤں گا۔"

باقر علی خاں کامل نواب زین العابدین خاں عارف کے فرزند اکبر کے ہاں بچے کی پیدائش پر حضرت غالب نے ایک قطعہ لکھا ہے جو سبد چین میں موجود ہے :-

بمن ز مقدم فرزند میرزا باقر	سروش تہنیت زیدہٴ مطالب گفت
چو قصد شد متعلق بگفتنِ تاریخ	طریقِ تعمیہ ورزید و جانِ غالب گفت

جانِ غالب کے اعداد میں قصد کے اعداد شامل کئے جائیں تو ۱۲۸۱ھ تاریخ نکلتی ہے۔

عارف کا خاندان عارف کے مورث اعلیٰ بلخ سے ہندوستان آئے تھے۔ اس کی حقیقت یہ ہے بخارا میں خواجہ عبدالرحمٰن یسوی ایک رئیس عالی خاندان خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں تھے۔ اتفاق زمانہ سے وطن چھوڑ کر بلخ میں آئے اور یہیں خانہ دار ہوئے۔ خدا نے تین فرزند رشید عطا کئے۔ قاسم جان عارف جان، عالم جان، ان جوانوں کی ہمت نے گھر میں بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ ایک جمعیت سوار و پیادہ ترکان ازبک وغیرہ کو لے کر ہندوستان میں آئے۔ پنجاب میں معین الملک عرف میر منو خلف نواب قمرالدین خاں وزیر

محمد شاہ حاکم تھے۔ ان رئیس زادوں کو اپنی رفاقت میں لیا۔ خاکِ پنجاب میں سکھوں کا زور تھا۔ انھوں نے اپنی ہمت کے گھوڑے دوڑا کر ناموری حاصل کی۔ تھوڑے عرصہ بعد میر منو کا انتقال ہوگیا اور اُنھوں نے دربار کا رُخ کیا۔ اس وقت شاہ عالم میرن کے مقابلہ پر بنگالے میں فوج لئے پڑے تھے۔ یہ بھی وہیں پہونچے اور قاسم جان نے اپنی بہادری سے شاہ عالم کو خوش کرکے نواب شرف الدولہ سہراب جنگ کا خطاب پایا۔ اور ہفت ہزاری کا منصب ملا۔ بادشاہ کے ہمراہ تینوں بھائی دہلی آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ بلیماروں کے محلہ میں قاسم جان کی گلی انہیں قاسم جان سے منسوب ہے۔ اب بھی ان کے خاندان کے افراد اسی گلی میں سکونت رکھتے ہیں۔

نواب قاسم جان تو اکثر لڑائیوں پر رہتے تھے۔ چھوٹے بھائی عارف جان دیہات اور جاگیر وغیرہ کا انتظام کرتے تھے دونوں بھائیوں کا انتقال بھی تھوڑے وقفہ سے ہوا۔

شرف الدولہ سہراب جنگ نواب قاسم نے تین لڑکے چھوڑے محمد بخش خاں، فیض اللہ بیگ خاں قدرت اللہ بیگ خاں۔ محمد بخش خاں کاروبار ریاست سنبھالنے کی اہلیت نہ رکھتے تھے اس لئے فیض اللہ بیگ خاں کو تھوڑے عرصہ بعد ریاست کا کام سنبھالنا پڑا اور باپ کا خطاب شرف الدولہ سہراب جنگ پایا۔

محمد بخش خاں کے صرف ایک صاحبزادے فتح اللہ بیگ خاں تھے۔ شرف الدولہ سہراب جنگ نواب فیض اللہ بیگ خاں کے ہاں دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تین اولادیں تھیں، نواب غلام حسین خاں مسرور، نقشبند خاں اور انجمن نسا بیگم۔ قدرت اللہ بیگ خاں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے چار صاحبزادیاں تھیں۔ دوسری بیوی سے ایک صاحبزادی حاجی بیگم صاحبہ اور دو صاحبزادے معین الدین حسن خاں اور محمد حسن خاں تھے۔

حاجی بیگم صاحبہ منسوب تھیں نواب ضیاء الدین احمد خاں خلف فخر الدولہ رستم جنگ نواب احمد بخش خاں سے

نواب فیض اللہ بیگ خاں کے انتقال کے بعد نواب غلام حسین خاں مسرور نے بدردی اختیار کی تھی ریاست ہاتھ سے نکل گئی۔ نواب غلام حسین خاں اور نقشبند خاں کو ایک ایک ہزار روپیہ ماہانہ تازیست ملتا رہا۔ نقشبند خاں لاولد تھے نواب غلام حسین خاں کے دو صاحبزادے تھے نواب زین العابدین خاں عارف اور نواب حیدر حسن خاں۔ نواب زین العابدین خاں عارف ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی خورد سال ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ان کی والدہ بنیادی بیگم صاحبہ نے اُن کی پرورش اس زمانہ کے دستور کے مطابق بہت اعلیٰ پیمانہ پر کی اور اعلیٰ تعلیم دلائی۔

نواب زین العابدین خاں عارف کو سرکار انگلشیہ سے ڈھائی سو روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ اکیس سال کی عمر میں عارف کی شادی نواب بیگم صاحبہ بنت فخر الدولہ رستم جنگ نواب احمد بخش خاں رئیس جھرکہ فیروز پور سے ہوئی۔ شادی کے بعد ڈھائی سو روپیہ ماہانہ فیروز پور سے عارف کو تازیست ملتے رہے نواب بیگم صاحبہ کا شادی کے دو برس بعد انتقال ہوگیا۔ ان سے کوئی اولاد نہ تھی۔ عارف کی دوسری شادی دہلی کے ایک شریف خاندان میں ہوئی۔ ان دوسری بیوی سے جن کا نام بستی بیگم تھا دو اولادیں ہوئیں باقر علی خاں اور حسین علی خاں جن کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

عارف کے چچا نواب عارف جان نے چار بیٹے چھوڑے نبی بخش خاں، احمد بخش خاں، محمد علیخاں الٰہی بخش خاں۔ نواب احمد بخش خاں راؤ راجہ بختاور سنگھ والئی الور کی جانب سے معتمد اور وکیل ہو کر لارڈ لیک کے ساتھ ہندوستان کی مہمات میں شامل رہے اور اپنا ایک ذاتی رسالہ رکھ کر گورنمنٹ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس صلہ میں جھرکہ فیروز پور کی ریاست گورنمنٹ سے پائی اور مہاراج الور نے لوہارو کا پرگنہ دیا۔ دربار شاہی سے فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ کا خطاب ریزیڈنٹ کے توسط سے عطا ہوا۔

نواب احمد بخش خاں کی شادی اپنے چچا نواب قاسم جان کی صاحبزادی عالم ماہ سے ہوئی تھی۔ لیکن گیارہ سال بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ ان بیگم سے نو بچے ہوئے ایک بھی زندہ نہ رہا۔ ان کے بعد نواب

احمد بخش خاں نے دو شادیاں کیں ایک بیوی سے دو صاحبزادیاں نواب بیگم صاحبہ اور جہانگیرہ بیگم صاحبہ اور دو صاحبزادے شمس الدین احمد خاں اور ابراہیم علی خاں تھے۔ دوسری بیوی بیگم جان صاحبہ سے تین صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے امین الدین خاں ضیاء الدین خاں تھے۔ نواب احمد بخش خاں نے شمس الدین خاں کو جو فرزند اکبر تھے ولی عہد کیا نواب صاحب موصوف کے انتقال کے بعد شمس الدین خاں مسند نشین ریاست ہوئے امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کو لوہارو بطور جاگیر دیا گیا تھا فیروز پور سے ان دونوں کو ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ نواب شمس الدین خاں کو فریزر صاحب کمشنر دہلی کو قتل کرانے کے جرم میں تین سال بعد ہی پھانسی دی گئی اور ریاست جھرکہ فیروز پور ضبط کر لی گئی۔ نواب امین الدین احمد خاں رئیس لوہارو رہے۔ ان کے بعد نواب علاء الدین خاں علائی مسند نشین ہوئے۔ یہ حضرت غالب کے بہت محبوب شاگرد تھے علوم مشرقی کے ساتھ زبان انگریزی میں کامل مہارت رکھتے تھے نواب ضیاء الدین احمد خاں متخلص بہ نیر رخشاں کو گورنمنٹ سے ان کے والد کا خطاب فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ عطا ہوا۔ نواب صاحب موصوف فن تاریخ اور علم الانساب کے ماہر اور اردو اور فارسی کے اچھے شاعر تھے اور حضرت غالب کے چہیتے شاگرد، مطالعہ کتب کا اتنا شوق تھا کہ دنیا کی بہترین اور نادر کتب انکے کتب خانہ میں موجود تھیں۔

عارف کے نانا معروف عارف کے حقیقی نانا نواب الٰہی بخش خاں متخلص بہ معروف فخر الدولہ رستم جنگ نواب احمد بخش خاں رئیس جھرکہ فیروز پور کے حقیقی بھائی اور ذی علم بزرگ تھے۔ فن شعر سے عشق رکھتے تھے اور شاعری کے ایسے کہنہ مشق تھے کہ فنا فی الشعر کا درجہ حاصل کیا تھا ان کے زہد و تقدس اور علم و فضل کے باعث ان کے معاصرین ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک اردو دیوان کے علاوہ نواب صاحب مرحوم نے ایک مثنوی موسوم "تسبیح زمرد" بھی اپنی تصنیف چھوڑی ہے اس میں پانچ سو شعر حسن سبز قبا کی مدح میں لکھے ہیں۔ اس مثنوی کی ہر بیت میں التزاماً سبزی کا ذکر ہے یہ نادر کتاب ریاست رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے

مولانا آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے کہ معروف اُستاد ذوق کے شاگرد ہوئے تھے لیکن نواب سعید الدین احمد خاں طالب دیوان معروف کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ قطعًا غلط ہے اور یہ کہ آزاد نے اپنے اُستاد کا مرتبہ بڑھانے کے لئے یہ لکھدیا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ معروف مرحوم جن کی عمر اُس وقت ساٹھ کے لگ بھگ تھی اُستاد ذوق سے جو انیس بیس سالہ ناتجربہ کار اور نومشق شاعر تھے اصلاح لیتے۔ بہرحال آب حیات میں مولانا آزاد یہ فرماتے ہیں:۔

"نواب الٰہی بخش خاں معروف جو ایک عالی خاندان امیر تھے علوم ضروری سے باخبر اور کہنہ مشق شاعر تھے اس لئے جہاں متاع نیک دیکھتے تھے نہ چھوڑتے تھے زمانے کی درازی نے سات شاعروں کی نظر سے ان کا کلام گذرانا تھا۔ چنانچہ ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے رہے اور پھر اسد علیخاں غمگین وغیرہ وغیرہ استادوں سے مشورہ ہوتا رہا۔ جب شیخ مرحوم کا شہرہ ہوا تو انھیں بھی اشتیاق ہوا یہ موقعہ وہ تھا کہ نواب مرحوم نے اہل فقر کی صحبت دبرکت سے ترک دنیا کرکے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا تھا چنانچہ اُستاد مرحوم فرماتے تھے کہ میری عمر انیس یا بیس برس کی تھی گھر کے قریب ایک قدیمی مسجد تھی ظہر کی نماز کے بعد وہاں بیٹھ کر وظیفہ پڑھ رہا تھا ایک چوبدار آیا اور اس نے سلام کیا اور کچھ چیز رومال میں لپٹی ہوئی میرے سامنے رکھ کر بیٹھ گیا وظیفے سے فارغ ہوکر میں نے اُسے دیکھا تو اُس میں ایک خوشہ انگور تھا ساتھ ہی چوبدار نے کہا۔ نواب صاحب نے دُعا فرمائی ہے۔ یہ تبرک بھیجا ہے اور فرمایا آپ کا کلام تو پہنچا ہے مگر آپ کی زبان سے سُننے کو جی چاہتا ہے شیخ مرحوم نے وعدہ کیا اور تیسرے دن تشریف لے گئے وہ بہت اخلاق سے ملے اور بعد گفتگوئے معمولی کے شعر کی فرمایش کی انھوں نے ایک غزل کہنی شروع کی تھی اُس کا مطلع پڑھا سُنکر بہت خوش ہوئے اور کہا خیر حال تو پہلے ہی معلوم ہوگیا تھا مگر تمہاری زبان سے سُن کر اور لطف حاصل ہوا اس دن سے معمول ہوگیا کہ ہفتہ میں دو دن جایا کرتے اور غزل سُنایا کرتے تھے چنانچہ دیوان معروف جو اب رائج ہے وہ تمام وکمال اُستاد مرحوم کا اصلاح کیا ہوا ہے۔ نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے باعث خود کاوش کرکے مضمون کو لفظوں میں

بٹھا نہیں سکتے تھے مگر اس کے حقائق و دقائق کو ایسا پہونچتے تھے کہ برحق ہے۔ اس عالم میں اُستاد مرحوم کی جوان طبیعت اور ذہن کی کاوش ان کی فرمایش کے نکتہ نکتہ کا حق ادا کرتی تھی۔ شیخ مرحوم کہا کرتے تھے اگرچہ بڑی کاہشیں اُٹھانی پڑیں لیکن ان کی غزل بنانے میں ہم آپ بن گئے:"

لیکن بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کہنہ مشق اور فن شعر کے نکات و رموز سے واقف شاعر ایک ناتجربہ کار نومشق نوجوان سے اصلاح لے۔ مولانا آزاد نے جو واقعہ اپنے اُستاد شیخ ذوق مرحوم سے منسوب کیا ہے اس میں بھی استاد ذوق کے اپنے شعر سنانے اور معروف مرحوم کی تعریف ہی کا تذکرہ ہے اصلاح دینے کا کہیں ذکر نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شیخ مرحوم نواب صاحب موصوف کے پاس استفادہ کی غرض سے جاتے ہوں۔

عارف کے بچے عارف کے دو بچے تھے باقر علی خاں اور حسین علی خاں۔ عارف کے انتقال کے بعد غالب اور ان کی بیگم صاحبہ حسین علی خاں کو بیٹا بنا کر اپنے گھر لے آئے۔ جب عارف کی والدہ نبیادی بیگم کا انتقال ہو گیا تو باقر علی خاں بھی غالب کے ہی پاس چلے آئے۔ غالب کو ان دونوں بچوں کے ساتھ بہت محبت تھی خصوصاً حسین علی خاں غالب کے بیحد لاڈلے تھے۔ حضرت غالب جیسی حسین علی خاں کی ناز برداری کرتے تھے اور وہ ان پر جو ناز فرزندانہ کرتے تھے اس کے لکھنے کے لئے الگ ایک کتاب درکار ہے۔

باقر علی خاں کی عمر عارف مرحوم کے انتقال کے وقت پانچ سال کی اور حسین علی خاں کی تین سال کی تھی باقر علی خاں اُردو فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے فارسی میں باقر اور اُردو میں کامل تخلص کرتے تھے بہت ہونہار اور صالح جوان تھے باقر علی خاں کی شادی نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کی صاحبزادی معظم زمانی بیگم سے سترہ سال کی عمر میں ہوئی۔ ان کی نسبت عارف مرحوم اپنی زندگی میں طے کر چکے تھے اور یہ منگنی نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں اور نواب زین العابدین خاں عارف کے گہرے ارتباط و خلوص کا نتیجہ تھی۔

نواب صاحب مرحوم نے اپنے عزیز دوست کے انتقال کے بعد بھی اپنے قول کو نباہا اور اپنی لختِ جگر نورِ نظر کو نواب باقر علی خاں سے بیاہ دیا۔ شادی کے بعد نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں داماد کی ہر طرح کفالت کرتے رہے لیکن اس غیور نوجوان نے یہ کسی طرح مناسب نہ سمجھا کہ اپنا بار خسر کے سر پر ڈال دے اور شادی کے تین سال بعد بیس سال کی عمر میں ریاست الور میں مہاراجہ شیو دان سنگھ کی سرکار میں ملازمت کر لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ باقر علی خاں غالب کی زندگی میں ہی ملازم ہو گئے تھے۔ اُردوئے معلّی میں ان کے نام تین خط ہیں۔ پہلے خط میں ان کے برسر روزگار ہونے پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور تسلی دی ہے آخر میں لکھتے ہیں

"تمہاری دادی اچھی ہیں تمہارا بھائی اچھی طرح ہے تمہارے گھر میں سب طرح خیریت ہے تمہاری لڑکی اچھی ہے کبھی روز کبھی دوسرے تیسرے روز میرے پاس آ جاتی ہے"

مہاراجہ شیو دان سنگھ بہت قدردان رئیس تھا پہلے باقر علی خاں کو مصاحبوں میں لیا پھر جلدی فوج میں لے کر کپتان کے عہدہ پر ممتاز کر دیا۔ باقر علی خاں فنون سپہگری میں بھی ماہر تھے اور شیر کا شکار خوب کھیلتے تھے۔

نواب شہاب الدین خاں ثاقب کے انتقال کے بعد نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں نے داماد کو الور سے بلا لیا کیونکہ وہ خود جوانمرگ بیٹے کے غم سے دل شکستہ ہو گئے تھے اور امور ریاست اچھی طرح انجام نہ دے سکتے تھے۔ لائق داماد نے یہ سب بار اپنے سر لیا اور تا زیست اس میں منہمک رہے۔ افسوس کہ عین عالم شباب میں اٹھائیس برس کی عمر میں صرف سات ماہ تپ دق میں مبتلا رہ کر رہگرائے عالم بقا ہوئے۔

نواب باقر علی خاں نے تین لڑکیاں چھوڑیں بڑی صاحبزادی محمد سلطان بیگم کی تاریخ پیدائش سبد چین میں موجود ہے ان صاحبزادی کو حضرت غالب بہت عزیز رکھتے تھے اور مرزا جون بیگ کہتے تھے ان کا سن غالب کی وفات کے وقت چار سال کا تھا ان کی شادی نواب باقر علی خان کی وفات کے ایک سال بعد مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں خلف نواب شہاب الدین خاں ثاقب سے ہوئی۔

محمد سلطان بیگم صاحبہ حیات ہیں ان کے کوئی اولاد نہیں منجھلی صاحبزادی فاطمہ سلطان بیگم کی شادی نوابزادہ بشیر الدین احمد خاں خلف فخر الدولہ رستم جنگ نواب احمد خاں علائی سے ہوئی انکے ہاں دو صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ فاطمہ سلطان بیگم صاحبہ نے ۳۰ سال کی عمر میں بعارضہ فالج انتقال کیا۔ انکی چھوٹی صاحبزادی فخر سلطان بیگم منسوب تھیں مرزا اعزم الدین اعظم ولیعہد لوہارو خلف نواب سر امیر الدین احمد خاں سے، انھوں نے بھی چھ خورد سال بچے چھوڑ کر عین عالم شباب میں چوبیس سال کی عمر میں انتقال کیا اب انکے صاحبزادے نواب سراج الدین احمد خاں ثانی مسند نشین ریاست لوہارو ہیں۔ بڑے صاحبزادے معز الدین سام مرزا نے بینتالیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ بڑی صاحبزادی عالیہ سلطان اور چھوٹے صاحبزادہ ناصر الدین خسرو مرزا بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں۔

باقر علی خاں کامل کی چھوٹی صاحبزادی رقیہ سلطان بیگم، بیگم لفٹیننٹ کرنل ذو النور علی احمد حیات ہیں

نواب معظم زمانی بیگم نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کی صاحبزادی نواب زین العابدین خاں عارف کی بڑی بہو اور خاندان کی ایک ایسی فرد جنھوں نے حضرت غالب کی باتیں سنیں اور انھیں بچشم خود دیکھا اور بیاہ کر حضرت غالب کے گھر میں گئیں بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں۔ علم انساب کا ملکہ اپنے مکرم والد سے ترکہ میں پایا ہے۔ اس ضعیفی میں پیہم صدمات کا شکار ہونے کے باوجود حافظہ بہت تیز ہے۔ موصوفہ کی عمر اب ۸۹ سال کی ہے۔ گلی قاسم جان میں اپنی محلسرا ضیا منزل میں رہتی ہیں اپنے بزرگوں کی شان اور عہد قدیم کی مروت و اخلاق اور غربا پروری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ غالب کے شیدائی اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کرتے ہیں۔

عارف کے چھوٹے صاحبزادہ نواب حسین علی خاں جو شاداں تخلص کرتے تھے حضرت غالب کے فرزند متبنیٰ اور بہت خوش فکر شاعر تھے ان کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے ان کی عمر نو یا دس سال کی تھی۔ غدر کے بعد شہر آشوب تمام شعرائے کرام لکھ رہے تھے غالب نے کہا "شاداں تونے میرا نام ڈبو دیا غالب کا بیٹا اور ایسا کوڑھ مغز ایک شعر بھی نہیں کہتا۔ بس ہر وقت پتنگ اڑاتا رہتا ہے" شاداں نے جواب دیا۔

"آپ فکر نہ کریں دادا جان ہم ضرور شعر کہیں گے۔ لیکن غالب کے بیٹے کو سوچنے کی کیا ضرورت ہے"
مشاعرہ ہوا نامی گرامی شعرا نے دلّی کی تباہی پر دردناک نظمیں لکھی تھیں اور بہت سوز و گداز سے سُنا رہے تھے۔ پورا مجمع ساکت تھا اہل مشاعرہ پر افسردگی طاری تھی۔ دلّی کی تباہی، عزیزوں اور دوستوں کے بچھڑ جانے کا خیال دل خون کئے دیتا تھا یکایک غالب نے شاداں کی جانب نظر اُٹھائی مجمع کی آنکھیں اُس نورِ نظر پر لگ گئیں کہ دیکھیں غالب کی گودوں کا پلا کیا کہتا ہے شاداں نے صاف اور پیاری آواز میں جرأت آمیز انداز سے کہا ؎

خوب ہوا مٹ گیا جو نام و نشانِ دہلی میری پاپوش بنے مرثیہ خوانِ دہلی

اس شعر کو سنتے ہی مشاعرہ میں اِس سرے سے اُس سرے تک زندگی کی لہر دوڑ گئی افسردہ چہروں پر شگفتگی آگئی اور حضرت غالب نے اس ہونہار کو گلے لگا کر پیار کیا۔ حسین علی خاں حضرت غالب کی وفات کے بعد نواب کلب علیخاں والی رامپور کی سرکار سے وابستہ ہو گئے اور ان کی شادی غالب کی وفات کے بعد نواب عارف جان کے پوتے نواب حسن علی خاں کی صاحبزادی سے ہو گئی۔
اپنے بڑے بھائی نواب باقر علی خاں کامل کے انتقال کے بعد حسین علی خاں کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا لیکن اس حال میں بھی جو شعر کہتے تھے ان سے دماغی فتور کا اظہار نہ ہوتا تھا۔ اپنے بڑے بھائی کے انتقال کے ساڑھے تین سال بعد ڈھائی سال عارضہ سِل میں مبتلا رہ کر انتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے تھے جو بعد میں تلف ہو گئے۔

عارف کے شاگرد عارف مرحوم کو خطِ نسخ لکھنے کا شوق ہوا تو یہ میر جلال الدین خوشنویس (یہ اپنے وقت میں خطِ نسخ لکھنے میں یاقوتِ ثانی تھے) استاد بہادر شاہ ظفر کے پاس حاضر ہوئے۔ اظہارِ شوق کے بعد استدعا کی کہ زمرۂ شاگرداں میں داخل کیا جاؤں حسن اتفاق اُدھر تو اُس زمانہ میں عارف کی خوش کلامی کا شہرہ تھا اور ادھر میر صاحب کے دونوں صاحبزادوں نواب مرزا صاحب ظہیر اور امراؤ مرزا انور کو شاعری

کا شوق تھا۔ ایک اچھے اُستاد کی تلاش تھی۔ میر صاحب کو یہ اچھا موقعہ ملا انھوں نے جواب میں کہا کہ میں تم کو یوں تو شاگرد کرتا نہیں ہاں مبادلہ کرتا ہوں میں تم کو خط نسخ کی اصلاح دوں اس کے اصول بتاؤں تم میرے لڑکوں کو شاعری کے رموز بتاؤ اور اس کے نکات سمجھاؤ۔ عارف نے منظور کرلیا اور یہ معاملہ طے ہوگیا۔ عارف نے خط نسخ کی ایسی مشق کی کہ ایک سال کے اندر اُستاد نے اصلاح دینی چھوڑدی اور سند خوشنویسی لکھ دی مگر یہ دونوں اُستاد زادے تازیست عارف مرحوم سے اصلاح لیتے رہے کیونکہ دونوں فطرت شاعرانہ رکھتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کچھ سے کچھ ہوگئے عارف کی وفات کے بعد بہادر شاہ جنت آرامگاہ نے اپنے اُستاد ذوق کا دونوں کو شاگرد کرادیا۔

عارف اور داغ نواب مرزا خاں داغ نے بھی جو بعد میں "بلبل ہندوستان" اور "جہان اُستاد" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ پہلے زانوئے ادب عارف کے سامنے تہ کیا۔ داغ کی عمر ښدرہ ۱۵ سال کی تھی کہ خوش قسمتی سے ان کو نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں جیسے علم و ادب کے شیدا اور کامل فن کے تقرب کا فخر حاصل ہوا اور اس بزم ادب میں شرکت کا موقعہ ملا جہاں ہر وقت شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا چونکہ قدرت نے داغ مرحوم کو طبع موزوں بخشی تھی ایسی صورت میں کب خاموش رہ سکتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد سخن طرازی کی جانب مائل ہوئے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، نواب ضیاء الدین احمد خاں نے اُن کو غزل سرائی کا اہل پایا تو عارف کا شاگرد کرادیا۔ مرزا تخلص رکھا گیا۔ یہ استادی شاگردی چند لڈوؤں کی پیش کش پر نہ تھی بلکہ حضرت داغ کی والدہ نے ان سب صاحبوں کو جو روزانہ بزم میں شامل ہوتے تھے پُرتکلف دعوت دی اور سارے دوستوں اور اعزا میں شیرینی تقسیم کی۔ کامل تین سال داغ عارف مرحوم سے اصلاح لیتے رہے اس کے بعد واقعات نے پلٹا کھایا۔ داغ کی قسمت کا ستارہ چمکا، قلعہ معلی میں ان کے پہونچتے ہی صاحب عالم فتح الملک عرف مرزا فخرو نواب مرزا خاں داغ کے سرپرست بن گئے صاحب عالم خود شاعر تھے رمز تخلص کرتے تھے۔ داغ کا کلام سنکر بیحد پسند کیا اور اپنے اُستاد یعنی حضرت ذوق کا شاگرد کرادیا۔ جب ذوق نے مرزا کو اپنا شاگرد کیا تو بجائے مرزا

کے داغ تخلص رکھا۔ نکتہ سنج جانتے ہیں کہ اس تخلص کی تبدیلی میں اُستاد ذوق کی کیا مصلحت پوشیدہ تھی۔

آزرؔ ظہیرؔ اور داغؔ یہ تینوں جواہر پارے جو آسمانِ ادب پر مدتوں ضوفشاں رہے عارفؔ مرحوم کی اصلاح سے بنے بنائے ترشے ترشائے ذوقؔ مرحوم کے ہاتھ آئے چنانچہ اہل نظر پرکھ سکتے ہیں آزرؔ اور ظہیرؔ کے کلام میں نشست الفاظ اور ترکیب و بندش وہی ہے جو غالبؔ مرحوم کے خوانِ نعمت کے ریزہ چینوں کا خاصہ ہے ہاں داغؔ اس نعمت سے محروم ہیں۔ غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی علمی استعداد کم تھی۔

عام لوگوں میں جو زبان بولی جاتی تھی وہ واقعی اس کے دلدادہ ہو گئے تھے مگر زبان نے ان کی فطری شوخ طبعی کے ساتھ مل کر سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور ان کے اس تیکھے انداز پر ایک زمانہ والہ و شیدا ہو گیا مگر داغؔ کا یہ حسنِ کلام غزل تک محدود رہا۔ قصائد و مثنوی بہت پست ہیں لیکن آزرؔ ظہیرؔ قادر الکلام شاعر تھے۔ تمام اصناف سخن میں ان کی طبیعت کی روانی یکساں تھی۔ جو کچھ کہتے تھے ہموار کہتے تھے۔

عارفؔ کی بزمِ ادب

عارفؔ کی بزم ادب میں نواب مصطفٰے خاں شیفتہؔ، مرزا غلام حسین خاں محوؔ غلام علیخاں وحشتؔ شیخ امام بخش صہبائیؔ میر مہدی مجروحؔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیرؔ رخشاں جیسے کاملین فن جمع ہوتے تھے عارفؔ خود شاعر تھے اور شعرا کے پرستار شستہ محفل ہوتی تھی ادب آداب کا خیال حفظ مراتب کا لحاظ پورا پورا کیا جاتا تھا اس لئے ان کا دولتکدہ مرجع اہل فضل و کمال تھا خصوصًا نواب ضیاء الدین احمد خاں نیرؔ رخشاں سے تو بہت گہرا ارتباط تھا رشتہ دار ہونے کے علاوہ یہ دونوں صاحب ہم مذاق تھے دونوں فکر معیشت سے فارغ البال اور علم و ادب کے دلدادہ تھے اس لئے کبھی وہ ان کے ہاں کبھی یہ ان کے ہاں۔ شعر و شاعری اور علم و ادب کے ذکر اذکار کے سوا کوئی اور شغلہ نہ تھا۔

دیوان عارفؔ کا اصلی نسخہ بھی نواب ضیاء الدین احمد نیرؔ رخشاں کے کتب خانہ میں تھا نواب صاحب موصوف کا کتب خانہ جو بیش بہا کتب کا ذخیرہ تھا اور جس کی بابت حضرت غالبؔ نے فرمایا ہے کہ "ڈر کر عرض کرتا ہوں بیس ہزار کی مالیت کا ہوگا غدر کے عالم آشوب زمانہ میں ورق ورق ہو کر برباد ہو گیا۔

عارف مرحوم کو مشاعرے کرنے کا بہت شوق تھا۔ مشاعرے کرنا اور ان کو خوش اسلوبی سے انجام دینا ہنسی کھیل نہ تھا تمام شہزادے سلاطین زادے اور استادانِ فن شریک مشاعرہ ہوتے تھے ان کی باہمی چشمک کی بدولت ان سب کا سنبھالنا اور محفل کا نظام قائم رکھنا ایک بہت مدبر طبیعت ہی کا کام تھا عارف مرحوم جب کبھی میرِ مشاعرہ بنتے تھے اس خوش اسلوبی سے انتظام کرتے کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا اور مشاعرہ بخیر و خوبی ختم ہوتا۔

عارف کی وفات عارف نے ۱۲۶۸ھ میں ۳۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ وفات اچانک طور پر واقع ہوئی یوں تو مختلف معمولی شکایات تین سال سے رہتی تھیں اور عارف لاغر ہو گئے تھے لیکن یہ شکایات ایسی زیادہ نہ تھیں جن سے ان کی زندگی کی جانب سے کسی کو فکر لاحق ہوتا ہاں تین مہینے قبل چہیتی بیوی لبتی بیگم کا انتقال ہو جانے سے عارف کو جو صدمہ ہوا تھا اس کا زخم ابھی تازہ تھا ایک روز جو صبح بیدار ہوئے تو طبیعت پر ماش تھی تھوڑی دیر بعد خون کا استفراغ ہوا پھر تو یہ سلسلہ بندھ گیا شہر کے نامی گرامی اطبا کا ہجوم تھا حکیم احسن اللہ خاں بادشاہی طبیب اس جانہار خوش فکر شاعر کے بچانے کی ہر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ لیکن قضا و قدر سے کس کو چارہ ہے کوئی تدبیر کارگر ہوئی نہ کسی دوا نے کام کیا دو روز اسی حال میں گزرے تیسرے دن کی صبح پیغام قضا آئی اور عارف ملک الموت کے پیہم تقاضوں کی تاب نہ لا کر گلشنِ جناں کی طرف راہی ہوئے اور ان کا یہ شعر ان کے حسب حال ہوا ؎

کیجئے ہے دل میں عارف عالم بالا کی سیر ... اب تو کچھ اس خاکدان میں دل بہت گھبرائے ہے

غالب کے نوحہ کا یہ شعر ان کی فوری موت کا منظر سامنے لے آتا ہے۔

ایسے تھے کھرے کون سے تم داد و ستد کے ... کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

دیوان عارف کے قلمی نسخے عارف مرحوم کا کلیات ان کے زمانۂ حیات میں مرتب ہو چکا تھا یہ نسخہ نواب فخر الدین حسن خاں خسرو عارف مرحوم کے چچازاد بھائی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جو نواب ضیاء الدین احمد خاں

نیر رخشاں کے خاص کاتب تھے عارف کی وفات کے بعد ان کے کلام کا بقیہ حصہ بھی اسی کلیات میں شامل کر دیا گیا تھا افسوس کہ یہ نسخہ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کے کتب خانہ اور خزانۂ عامرہ کے ساتھ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں تلف ہو گیا غدر کے بعد جب نواب صاحب موصوف دلی واپس آئے تو اپنی گم گشتہ کتابوں کی تلاش میں مصروف ہوئے حسب اتفاق دیوان عارف کے چند اجزائے پریشاں جن میں اکثر اوراق شکستہ تھے پھر ہاتھ آئے نواب صاحب موصوف نے ان کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور پھر عارف کے کلام کی ترتیب شروع کی جو کچھ ممکن ہوا تذکروں سے نکالا اور جو کچھ خود ان کے حافظہ میں محفوظ تھا وہ جستہ جستہ لکھوایا کچھ مسودے نواب فخر الدین حسن خاں کاتب مذکور نے اور کچھ مرزا غلام حسن خاں محو برادر خورد عارف مرحوم نے دیئے المختصر جہاں سے جو کچھ میسر آیا اس کو لیکر ترتیب وار مرزا بھورے سے لکھوایا۔ مرزا بھورے بہت غلط نویس تھے مگر اور کوئی اچھا کاتب اس وقت نہ ملا نواب فخر الدین حسن خاں کو بہ سبب پیری ضعف بصارت ہو گیا تھا۔ نقل کے بعد حتی الوسع مقابلہ وصحت میں کد وکاوش کی مگر پوری تصحیح اس لئے نہ ہو سکی کہ نواب صاحب موصوف اپنے خلف اکبر نواب شہاب الدین خاں ثاقب کی علالت سے پریشان خاطر تھے۔ تھوڑے عرصہ بعد جب ان کا انتقال ہو گیا تو نواب صاحب جوانمرگ بیٹے کے غم سے ایسے دل شکستہ ہوئے کہ کسی طرف توجہ نہ دیتے تھے داروغۂ کتب خانہ میر غالب علی نے جیسا کچھ تھا جلد بندھوا کر دیوان عارف داخل کتب خانہ کیا اور منتظر رہے کہ کوئی اور نسخہ دستیاب ہو جائے تو پھر اس کی تصحیح میں کوشش کی جائے اسی اثناء میں یہ دیوان نواب باقر علی خاں کامل خلف اکبر عارف مرحوم نے نواب صاحب موصوف سے مانگ لیا داماد سے نواب صاحب انکار نہ کر سکے۔ باقر علی خاں الور میں ملازم تھے وہاں چلے گئے وہاں سے واپسی کے تھوڑے عرصہ بعد بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے نواب صاحب نے اس حال میں ایک کتاب کا مطالبہ بیوہ بیٹی سے مناسب نہ سمجھا نواب صاحب موصوف کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ نواب سعید الدین احمد خاں طالب نے اپنی ہمشیرہ سے دیوان مانگا تو انہوں نے کہا مجھ سے نواب شجاع الدین خاں تاباں

لے گئے ہیں۔ نواب طالب نے بھتیجے سے جب دیوان طلب کیا تو انہوں نے صاف انکار کیا اور دیوان مذکور کی بابت لاعلمی ظاہر کی بہر صورت وہ مجموعہ کلام عارف پھر جاتا رہا۔

ایک روز حسن اتفاق سے لالہ سری رام صاحب مصنف تذکرہ خمخانۂ جاوید نواب طالب سے ملنے آئے تو اثنائے گفتگو میں معروف و عارف کے کلام کا ذکر آیا انہوں نے فرمایا میرے پاس دونوں دیوان موجود ہیں نواب طالب نے دونوں دیوان منگائے دیکھا تو دیوان عارف وہی تھا جو نواب ضیاء الدین خاں نیر رخشاں نے جمع کیا تھا۔ نواب صاحب مرحوم کے قلم سے لکھے ہوئے الفاظ اس پر شاہد صادق موجود تھے۔ غرض نواب طالب نے اس دیوان کی نقل پھر سید میر صاحب کاتب سجادہ نشین درگاہ شاہ مرداں سے کرائی مگر غلط نویسی میں وہ مرزا بھورے کے بھی استاد نکلے۔ مقابلہ و صحت میں بڑی مشکل واقع ہوئی۔ نواب طالب ضعیفی کے باعث اور اپنے فیران طبی کی ممانعت کی وجہ سے زیادہ محنت نہ کر سکتے تھے۔ نواب سراج الدین احمد خاں سائل ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں ذبیح نواب سید اکبر مرزا صاحب سید کی نظر سے اس دیوان کی صحت کی گئی۔ انھوں نے حتی الامکان اس کی صحت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ اب یہ دیوان جو نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم نے ترتیب دیا اور جس کی تصحیح انھوں نے کی نواب باقر علی خاں کامل کی بڑی صاحبزادی اور عارف مرحوم کی پوتی محمد سلطان بیگم زوجہ مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں کے پاس ہے۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کا ترتیب کردہ دیوان جو لالہ سری رام صاحب کے کتب خانہ میں تھا لالہ صاحب موصوف کے داماد سے معلوم ہوا بنارس یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔

اردو شعراء کے تذکرے اور عارف تذکرہ شعرائے ہند مولفہ ۱۸۴۸ء میں مولوی کریم الدین صاحب عارف کے متعلق لکھتے ہیں:-

عارف تخلص۔ نام نواب زین العابدین خاں خواہرزادہ نواب اسد اللہ خاں مرزا نوشہ غالب کے ابتدا میں نصیر سے شعر کہنا سیکھا اس کے ہی طور پر ایک دیوان بھی لکھا۔ مگر بعد آنے نواب اسد اللہ خاں مذکور کے

اکبرآباد سے نصیر سے اصلاح لینی چھوڑ کر ان کی خدمت میں رہنا شروع کیا انھوں نے اپنے ڈھنگ پر اُن کو کتب فارسی کی تعلیم اور اصلاح شعر کی بھی دی۔ چنانچہ بہت دنوں کے بعد ایک دیوان مسمی بہ مطلع مہر سعادت انھوں نے فراہم کیا۔ اُس میں قصائد اور قطعات اور غزلیں اور رباعیں اور ترجیع بند مخمس اور مسدس اور معشر وغیرہ بہت موجود ہیں میں نے بھی وہ دیوان دیکھا ہے اُس کو کلیات کہنا چاہئے۔ حقیقت میں یہ شاعر بڑے رتبے کا ذی قدر اور قابل اور لائق تحسین اور آفریں کے ہے۔

فارسی میں بڑی دست قدرت رکھتا ہے۔ جن ایام میں کہ میرے چھاپے خانہ میں مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ یہی شاعر میر مجلس اور میر مشاعرہ مقرر تھا اور اس کے اشعار میں نے گلدستہ نازنیناں میں بھی مندرج کئے ہیں اب ان ایام میں بہ سبب جدت ذہن اور تیزی فکر سخن کے سوکھ کر مثل کانٹا ہو گیا ہے بہت دُبلا پتلا ہے لانبا قد ہے۔ ڈاڑھی بھر کر نہیں نکلی ٹھوڑی ہی پر کچھ بال ہیں۔ خُلق اُس کا بہت اچھا ہے۔ اگر کوئی اُس سے ملاقات کرے بہت حظ اُٹھائے۔ فی البدیہ کہنے کا بھی ذوق ہے۔ تاریخ کہنے میں بہت اچھی قدرت ہے مادہ بھی اچھا نکالتا ہے۔ چنانچہ میری کتاب "گلدستہ نازنیناں" کے اتمام پر دو تاریخیں اُسی نے لکھی ہیں۔ ایک اُردو دوسری فارسی ایک مصرعہ اُردو سے کیا اچھی تاریخ نکالی ہے۔ وہ یہ ہے:۔

کہو گلدستۂ گلزار جنت

اس مصرعہ سے اُس کتاب کے اتمام کی تاریخ نکلتی ہے۔ اور اُس کا جوہر سخن دریافت ہوتا ہے۔

غرضکہ شعر کہنے میں قدرت اُسی نے پائی ہے کہ کوئی غزل بحر ساقط اور رانتی شعر کے پر مضامین رنگا رنگ میں نہیں کہتا۔ اور سب اچھی پر مضمون نئے انداز پر ہوتے ہیں۔ نواب ضیاء الدین خاں بہادر سے کمال ارتباط اور صحبت اس کو رہتی ہے۔ چونکہ دونوں صاحب وجہ معیشت سے فارغ اور نواب زادے ہیں باہم شعر و سخن کا چرچا اور صحبت رکھتے ہیں۔ اس سال میں ۱۲۶۱ھ سے عمر اُس کی قریب تیس برس کے ہے یہ اشعار شاعر مذکور کے ہیں۔ جو مشاعرے میں میرے مکان پر پڑھے تھے۔ واضح ہو کہ یہ مشاعرہ میرے

مکان پر چودھویں تاریخ ماہ رجب ۱۲۶۱ھ میں شروع ہوا اسی سال درمیان ماہ ذیقعدہ کے بسبب بددیانتی اور ناانفاقی شرکار کے جو مطبع کے شریکوں نے مجھ سے کی تھی۔ اور میرا مال دبا کر غصب کر کے مجھ کو بے قبضہ کر دیا تھا۔ موقوف ہوا۔

جب تک وہ مطبع میرے پاس رہا مشاعرہ پندرھویں روز چھپا کیا۔ سترھویں ماہ شوال تک چھپا۔ ہر مہینے دو پرچے نکلا کرتے تھے۔ اس میں ہر ایک شاعر کا احوال لکھنے کا ارادہ تھا تاکہ پچھلوں کے واسطے ایک تذکرۂ ہند تیار ہو جائے۔ مگر میرے شرکا نے جو جاہل تھے اس امر کے مانع آ کر روک دیا۔ جائے پیدائش اور وطن عارف کا شاہجہاں آباد ہے لڑکپن سے آج تک یہیں ہے کہیں کا سفر نہیں کیا مکان اُن کا لال کنوئیں پر ہے جو مدرسے کے نام سے مشہور ہے

فارسی شعر بھی اچھے کہتے ہیں۔ علم و عقل مروت اور اہلیت شرافت اور محبت سے گویا ان کا خمیر ہے مدت ہوئی کہ اب اُن سے میری ملاقات نہیں ہوتی۔ فقط"

تذکرہ گلستانِ سخن مولفہ ۱۲۷۱ھ میں تحریر ہے:۔

عارف تخلص نواب زین العابدین خاں مرحوم خلف رشید نواب غلام حسین خاں مسرور بمسرور تخلص۔ شاگرد مرزا اسد اللہ خاں غالب غفر اللہ تعالیٰ زبان اُردو کو ہم پلۂ فارسی اور مضامین شعر کو ہم پایۂ حکمت کر دیا تھا۔ رنگینیٔ سخن سے کاغذ ہمرنگ گل اور دلپذیری کلام سے قلم منقار بلبل۔ اصناف سخن پر قدرت اور انواع کلام پر اقتدار غزل صحرائے شوخی کا غزال قصیدہ گلشن متانت کا نہال مخمس جسم کلام کے واسطے حواس رباعی مانند عناصر اربعہ پیکر سخن کی اساس ۱۲۶۸ھ میں رخت سفر باندھ کر گلشن جناں کی طرف راہی ہوا۔ میر حسن تسکین کی تاریخ وفات بعینہ اسی بلبل باغ جنت کی تاریخ ہے۔ تماشائیان تذکرہ اُسی مقام کی سیر سے ان مقدمات پر مطلع ہو چکے ہیں۔ کاش عارف کے احوال میں تجاہل عارفانہ کو کام نہ فرمائیں۔ دیوان نظم اُس سے یادگار رہے۔ یہ چند شعر انتخاب ہو کر مرقوم ہوئے۔

آثار الصنادید مولفہ ۱۲۶۳ھ میں سرسید مرحوم تحریر فرماتے ہیں :-

نواب زین العابدین خاں بہادر عارف تخلص نہال حدیقۂ دولت بانی مبانی حشمت بلبل چمنستان سخنوری طوطی شکرستان معنی پروری ہمسر سپہر کمال روشنگر آئینۂ اقبال سخن سنج معنی پناہ ہنر پرور کمال دستگاہ۔ بلند پایۂ رفعت سرمایہ رکن بنائے جاہ و ثروت معراج عروج اُبہت و عظمت زبدۂ اراکین روزگار قدوۂ ارباب دولتِ ملک و دیار مقبلِ جہاں مقبول جہانیاں ۔ نواب زین العابدین خاں عارف تخلص خلفِ رشید نواب غلام حسین خاں بہادر ۔ ابنِ شرف الدولہ نواب فیض اللہ بیگ خاں بہادر سہراب جنگ نے ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب کی خدمت میں مشقِ سخن بہم پہونچائی ہے ۔ اور تحقیق وقائع علمی اور تفتیش محاورات انھیں کی خدمت فیض منقبت میں کی ہے ۔ باوجود ناز و نعم ثروت کے اس فن میں محنت و مشقت کو اس درجے تک پہونچایا کہ عرق جبیں سے دامن گرداب ہو گیا ۔ اور آئین محیط اور فی الحقیقت اس فن میں وہ کمال حاصل کیا کہ شعرائے زمانہ قدیم یعنی میر و سودا قائم و کلیم اگر اس زمانے میں ہوتے بیشک اس زبدۂ اہلِ کمال کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرتے ۔ فی الحقیقت کمال کی علامت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ شاگرد پر اُستاد کو ناز ہے ۔ اور کیوں نہ ہو کہ ان کی وضع جدید نے اسلاف کی کہنہ طرزوں کو آب عرق سے دھو دیا ۔ اور مضامین بیگانہ نے طبیعت اہل علم کو ان طرزوں سے مطلقاً ناآشنا کر دیا ۔ اب وہ روزگار ہے کہ ہر سمت میں علم و کمال و ہنر اُسی صاحب علم کا بلند ہے ۔ بلبل چمن میں اگر کچھ بولتی ہے ۔ یا غزلہائے عاشقانہ اس زبدۂ کمال کے پڑھ کر چاہتی ہے کہ اس کے اثر کے وسیلے سے گل کو مہربان کرے ۔ یا زمزمہ اس قدوۂ ارباب معنی کی فغاں کا وقفِ زبان رکھتی ہے[1] ۔

اب ان دو کلموں پر اکتفا کر کے چند شعر لکھتا ہوں ۔ تاکہ حقیقت اس صاحب کمال کے کمال و ہنر کی اہلِ ہنر پر واضح ہو جائے ۔ بیت — این نامۂ صد جلال بکشائی دیباچہ صد خیال بکشائی

مین ایامِ شباب میں بعمر چہل سالگی ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں بمرضِ رعاف و اسہال وفات پائی اگر

[1] پچھلی دو سطریں حضرت میر درخشان کی لکھی ہوئی ہیں جو نقل کی گئیں۔ ۵۹

دو لڑکے خورد سال چھوڑے کہ جن کی پرورش غالب مدظلہٗ فرماتے ہیں"

عارف کے متعلق ماخذ عارف مرحوم کی زندگی، ان کی شاعری اور حضرت غالب سے اُن کی قرابت اور باہمی میل جول کے متعلق جو حالات لکھے گئے یہ آب حیات اور غالب مصنفہ غلام رسول مہر سے اخذ کئے گئے ہیں۔ عارف کے شاگردوں کی کیفیت نواب سید الدین احمد خاں طالب خلف نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کے اس دیباچہ سے اخذ کی گئی ہے جو اُنھوں نے دیوان عارف پر لکھا ہے۔

خاندانی حالات اور عارف کی وفات کا حال نواب معظم زمانی بیگم صاحبہ سے دریافت کرکے جمع کئے ہیں جن کی زندہ سند موصوفہ خود بدولت موجود ہیں علاوہ ازیں جو پرانے تذکرے شعراء کے جن میں عارف کا ذکر تھا دستیاب ہوئے ان کے حوالے لے لئے ہیں جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

آثار الصنادید میں سرسید مرحوم نے بسبب دوستی عارف مرحوم انکی تعریف میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اس لئے تمام وہ عبارت جو سرسید نے لکھی ہے نقل نہیں کی گئی اس کا صرف تھوڑا حصہ لیا ہو جس سے عارف کے کلام پر روشنی پڑتی ہے۔ ان تذکرہ نویسوں نے جن کے تذکروں کے حوالے دیئے گئے ہیں عارف مرحوم اور ان کے کلام کی جس قدر تعریف کی ہے اس سے نکتہ سنج اصحاب پر واضح ہوجائیگا کہ عارف اپنے دور کے شعرا میں کس درجہ ممتاز تھے بلحاظ خاندان بلحاظ علم وفضل بلحاظ عقل وفراست ان کو ان کے ہمعصروں نے ہرطرح سراہا ہے۔ اور جو رائے ان کی نسبت قائم کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شاعر تھے اور بڑے پایہ کے۔